معاشرے کے کمزور طبقات اور تعلیماتِ الٰہیہ

Weak sections of society and teachings of almighty Allah

*ڈاکٹر فرزانہ جبین   **ڈاکٹر فرح ناز سہیل

ABSTRACT

In Islamic tradition the idea if Social welfare has been presented as one its principal value and the practice of social service as its various forms has been instructed and encouraged. A Muslim's life remain incomplete if not attended by the service to humanity. Duties to parents neighbors, sick people, relatives, orphans, poor people have been defined in Islam. According to hadith, on the Day of judgment. Allah will be displeased with those who do not give food to them who ask. Allah will interrogates them and demand explanation from them. This act of Allah proves that in Islamic Society all weak groups have fundamental rights. In this articles presented Islamic teachings about such groups of Islamic Society.

Key Words: *Islamic Society, Social Service, Relatives, Weak group*

*۔اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تاریخ اسلام، جامعہ کراچی

**۔اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تاریخ اسلام، جامعہ کراچی

انسان طبعاً معاشرت پسند ہے معاشرے سے علیحدہ تنہا زندگی بسر کرنا اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ از پیدائش تا موت ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لئے معاشرہ ناگزیر ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ انسان سماج کے ایک فرد کی حیثیت سے کچھ حقوق کا حامل ہے تو دوسری طرف سماج کے دیگر افراد کے حقوق کی شکل میں کچھ فرائض و ذمہ داریوں کی ادائیگی کا بھی پابند ہے۔ یہ حقوق اور فرائض فرد پھر بھی عائد ہوتے ہیں، خاندان، قبیلہ اور معاشرہ کا بھی اس میں حصہ ہے اور ریاست بھی اپنے کردار کی ادائیگی کی پابند ہے۔

ان حقوق و فرائض کے تعین کا حق صرف خالقِ کائنات کو حاصل ہے خدائے واحد نہ صرف خالق کائنات ہے بلکہ قانون ساز بھی ہے اور اپنی مخلوق کو قانون دینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے وہ ہر مکلّف کے حق اور فرض کی ادائیگی کا تعین کرتا ہے۔ فرد، معاشرہ اور ریاست سب اس کے پابند ہیں۔

اسلام میں حقوق و فرائض کا تصوّر تخلیق آدم کے ساتھ ہی وجود میں آگیا تھا۔ خالقِ کائنات نے اگر ایک انسان کی حیات طبعی کے لئے ہوا، پانی، خوراک، روشنی اور دوسرے بے شمار اسباب زندگی فراہم کئے ہیں تو دوسری طرف معاشرتی زندگی بسر کرنے کے لیئے آغاز زندگی کے ساتھ ہی ضابطۂ حیات بھی عطا کر دیا تھا۔ قرآن اس حقیقت کی واضح شہادت فراہم کرتا ہے کہ انسان کو اس دنیا میں بھیجنے اور منصب خلافت پر فائز کرنے سے قبل ہی اسے حقوق و فرائض کا شعور عطا کر دیا گیا تھا۔ اس کائنات کے اولیّن انسان نے اپنی زندگی کا آغاز علم کی روشنی میں کیا تھا۔ سورۃ بقرہ میں ہے کہ :

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الاَسمآءَ کُلَّھَا۔

ترجمہ: "اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے۔"[1]

اسمائے اشیاء کے علم میں یہ بات لازماً شامل تھی کہ انسان کو مختلف اشیاء سے متعلق اپنے حقوق و فرائض کا مکمل شعور حاصل ہو۔ چناچہ حضرت آدمؑ کی زندگی میں ہابیل و قابیل کے واقعہ میں جب "حق" کا پہلا مسئلہ پیدا ہوا تب یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ انسان محض اپنے قیاس و گمان یا وجدان کی بناپر نہیں بلکہ ذات واحد کے مقرر کردہ ضابطہ و قاعدہ کی بناپر اس حق کے احترام کا شعور رکھتا تھا۔ شریعت اسلام نے نہ صرف تمام انسانی حقوق کو قانونی اور اخلاقی تحفظ فراہم کیا بلکہ ان حقوق کے احترام کا جذبہ بھی بیدار کیا ہے۔ سورۃ النساء میں ہے:

"یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے

تجاوز کر جائے گا اسے اللہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن سزا ہے۔(۲)

گویا قرآن نے ادائے حقوق کو عقیدۂ جزاو سزا سے اس طرح وابستہ کر دیا ہے کہ دونوں معاملات لازم و ملزوم قرار پائے۔ اس کے برعکس مغرب میں بنیادی حقوق کا دائرہ فرد اور ریاست کے تعلقات تک محدود ہے۔ اپنے وسیع اختیارات کے ساتھ ریاست کی جانب سے شہری کو حاصل حقوق کی حیثیت دفاعی اور حفاظتی ہوتی ہے۔ جبکہ اسلامی ریاست میں بنیادی حقوق کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ دنیا کے عام دساتیر کی طرح یہ فرد اور ریاست کے باہمی تعلقات تک محدود نہیں۔ قرآن کے دستور کا دائرہ اطلاق انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ کتاب اور سنت کی جانب سے انسان کو دیا گیا ہر حق بنیادی ہے۔(۳)

ان حقوق کو سلب محدود یا معطّل نہیں کیا جاسکتا۔ کتاب اور سنت نے انسانی معاشرے کے ہر طبقے کے لئے بنیادی حقوق کا تعیّن کر دیا ہے۔ اور ہر طبقے سے وابستہ افراد کے لئے ادائے حقوق کو لازم کر دیا ہے۔ شریعتِ اسلام کے مبنی بر عدل اصول سے معاشرہ کے وہ طبقات بھی مستفید ہوتے ہیں جو جسمانی، معاشی و معاشرتی اعتبار سے کمزور تصور کئے جاتے ہیں اور دنیا کے ہر خطے میں موجود ہیں۔ تاریخی اعتبار سے یہ طبقات حقوق سے محروم اور ظلم وزیادتی کا شکار رہے ہیں اسلام نے اوائل ہی سے ان کمزور طبقات کے حقوق کا تعیّن کیا اور معاشرتی سطح پر ان کے ساتھ مساویانہ سلوک اختیار کیا۔ ان طبقات میں کچھ اہم طبقات والدین اور محتاج و مسکین کے طبقات ہیں۔

والدین کے حقوق

حقوق میں سب سے مقدم اور اہم ترین حق والدین کا ہے۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر توحید کی تعلیم کے بعد متصل حکم والدین کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ سے سلوک احسان کرو۔"(۴)

بالعموم دنیا کے تمام قوانین والدین کے حقوق کو اخلاقی حدود کے درجہ میں شمار کرتے ہیں۔ تاہم شریعت اسلامی میں اسے بنیادی حق کی حیثیت حاصل ہے صرف یہی نہیں بلکہ اس حق کا مقام اہمیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے حکم کے بعد اولیّن حکم ماں باپ سے حسنِ سلوک کا ہے۔ والدین، اولاد کی نحیف و کمزوری کی حالت میں پرورش کرتے ہیں۔ اپنی خواہشات کو قربان کر کے روز و شب ہمہ وقت اولاد کی تعلیم و تربیت اور تکمیل ضروریات میں مصروف رہتے ہیں اور

بالآخر خود نحیف و کمزوری کے درجہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس درجہ میں والدین اپنی اولاد سے اسی محبت و سلوک اور توجہ کے طالب ہوتے ہیں جس کا مظاہرہ اولاد کے لئے بچپن میں والدین کی جانب سے کیا گیا تھا۔ وہ اولاد کے حسن سلوک کے مستحق ہوتے ہیں۔ آج ہمارا معاشرہ معاشرتی تنزل و تباہی کی جس سفر پر گامزن ہو چکا ہے اس میں والدین کے ساتھ انتہائی نازیبا رویّہ، تلخ کلامی، زدو کوب اور گھر بدری جیسے امراض ہمارے معاشرے میں در آئے ہیں۔ اولاد کے نازیبا رویّوں نے والدین کو کمزور کر دیا ہے۔ یہ رویّے نہ صرف والدین کے لئے تکلیف کا باعث بن رہے ہیں بلکہ خود اولاد ایسے رویّوں کی باعث اپنے لئے آخرت کا عذاب سمٹ رہی ہے۔ جبکہ حکم خداوندی ہے:

"تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس (اللہ) کی والدین کے ساتھ نیکی کرو اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو، اور نرمی ورحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ "پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن مین پالا تھا۔[۵]

اس آیت میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اللہ کے بعد انسانوں میں سب سے مقدم حق والدین کا ہے۔ اولاد کو والدین کا مطیع، خدمت گزار اور ادب شناس ہونا چاہیے۔ معاشرے کا اجتماعی اخلاق ایسا ہونا چاہیئے جو اولاد کو والدین سے بے نیاز بنانے والا نہ ہو بلکہ ان کا احسان مند اور ان کے احترام کا پابند بنائے اور ضعیفی میں اس طرح ان کی خدمت کرنا سکھائے جس طرح بچپن میں وہ اس کی پرورش اور ناز برادری کر چکے ہیں۔ مذکورہ آیت میں والدین کے شرعی حقوق مقرر کر کے مسلمانوں کے آداب تہذیب میں والدین کے ادب، اطاعت اور ان کے حقوق کی نگہداشت کو اولاد کے بنیادی اور لازمی فرائض کی حیثیت عطا کی گئی۔[۶] قرآن میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

"اے محمد ﷺ! ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں۔ یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔[۷]

نیک سلوک میں ادب، تعظیم، اطاعت رضاجوئی، خدمت سب داخل ہیں۔ والدین کے اس حق کو قرآن میں ہر جگہ توحید کے حکم کے بعد بیان فرمایا گیا ہے جو اس امر پر دلیل ہے کہ خدا کے بعد بندوں کے حقوق میں سب سے مقدّم حق انسان پر اس کے والدین کا ہے۔

احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسی منشائے الٰہی کو مختلف عبارتوں اور طریقوں میں ادا فرمایا ہے۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے دریافت فرمایا کہ یارسول اللہ ﷺ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا، پوچھا کہ اس کے بعد؟ فرمایا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنا۔ میں نے پوچھا پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔[۸]

اسلام میں جہاد کی اہمیت جو کچھ ہے، وہ ظاہر ہے مگر والدین کی خدمت گزاری کا درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ ان کی اجازت کے بغیر جہاد بھی جائز نہیں۔ عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ:

"ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کی کہ میری نیت جہاد پر جانے کی ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں زندہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو ان کی خدمت کر یہی تیرا جہاد ہے۔[۹]

جہاد کی میدان میں سر ہتھیلی پر رکھ کر جانا ہوتا ہے۔ ہر وقت جان جانے کا امکان ہوتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ حدیث اس امر کا ثبوت ہے کہ والدین کی اجازت کے بغیر تو جسم و جان کو کھونے کا حق بھی حاصل نہیں۔ کیونکہ اس جسم و جان اور توانائی کو والدین کی خدمت گزاری کے لئے وقف ہونا چاہیے۔[۱۰] قرآن پاک کی صریح آیات میں خدا کی اطاعت کے ساتھ ساتھ جس طرح والدین کی اطاعت کا ذکر ہے، احادیث میں بھی اس کا وہی درجہ رکھا گیا ہے۔ حضرت ابو بکر سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم کو بڑے بڑے گناہ بتاؤں؟ ہم نے کہا جی بتایئے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔"[۱۱]

ایک اور موقع پر پر حضرت انس بن مالک سے روایت ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے کبیرہ گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، ناحق خون کرنا اور والدین کی نافرمانی۔[۱۲]

والدین کی نافرمانی کرنا اور ان کو ستانا بہت بڑا گناہ ہے۔ مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ:

"آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم پر ماؤں کی نافرمانی کو حرام کیا گیا ہے۔"[۱۳]

یہ آیاتِ الٰہی اور سنت نبویہ ﷺ اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ والدین کے لئے اولاد کو کی جانے والی تنبیہات اور ہدایات محض اخلاقی سفارش نہیں بلکہ والدین کے بنیادی حقوق ہیں جسے کوئی اپنے اختیارات قانون سازی سے تبدیل نہیں کر سکتا اور نہ ہی اولاد کو والدین کی کفالت کی ذمہ داری سے سبکدوش کر سکتا ہے۔

یتیموں کے حقوق

باپ کے سایہ سے محروم نابالغ بچہ کے لئے "یتیم" کی اصطلاح کی استعمال کی جاتی ہے لیکن ماں کے سایہ سے محروم بچہ بھی لغوی اعتبار سے یتیم کہا جا سکتا ہے۔ یتیمی کسی بھی بچے کے لئے سانحہ و حادثہ ہی ہے۔ ماں اور باپ سے محرومی در حقیقت قریب ترین ہمدردوں، مؤنس، غمخوار ہستیوں اور حقیقی سرپرستوں سے محرومی ہے۔ اس محرومی کے نتیجے میں وہ بچہ اپنی پرورش و نگہ داشت اور تعلیم و تربیت کے لئے دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ یہ محرومی و محتاجگی اسے معاشرہ کا کمزور ترین فرد بنا دیتی ہے۔ لیکن دین اسلام نے اس کمزور طبقے کے حقوق کا مدّبرانہ انداز میں تحفظ کیا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

" یتیم پر تو سختی نہ کیا کرو۔"[۱۴]

ایک دوسرے مقام پر حکم الٰہی ہے:

"اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور جو بھلائی تم کروگے وہ اللہ کے علم سے چھپی نہ رہ جائے۔"[۱۵]

نابالغ یتیم کم فہم اور ناتجربہ کار ہوتا ہے وہ اپنے نفع و نقصان کا کوئی فہم وادراک نہیں رکھتا چنانچہ بآسانی اس کا حق مار کر اسے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ اسلام نے سختی سے اس امر کی مذمتّ کی ہے اور حکم دیا ہے کہ صاحب حیثیت یتیم کے مال کی حفاظت کی جائے، اسے ترقی دینے کی کوشش کی جائے اور اس مال سے کسی بھی قسم کا فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ حکم الٰہی ہے۔

"مال یتیم کے پاس نہ بھٹکو مگر احسن طریقے سے یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے۔[۱۶]

ایک دوسرے مقام پر صاحب حیثیت یتیم کے مال میں تصّرف کرنے یا اسے نقصان پہنچانے والے کے لئے جہنم کی وعید سنائی گئی۔

"جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں در حقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔"[۱۷]

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے بعد ان لوگوں نے جو یتیموں کے والی تھے، یتیموں کا کھانا ان کا پانی اپنے گھر کے کھانے اور گھر کے پانی بالکل جدا کر دیا۔ اب اگر اس کا پکا ہوا کھانا بچ رہا تو اسے یا تو وہی دوسرے وقت کھائے یا خراب ہو جائے تو یوں ایک طرف تو ان یتیموں کا نقصان ہونے لگا دوسری جانب والیانِ یتیم بھی مسائل کا شکار ہونے لگے کہ کب تک ایک ہی گھر میں اس طرح رکھ رکھاؤ کیا کریں ان لوگوں نے آکر حضور ﷺ سے اپنی مشکلات کا ذکر کیا[۱۸] چنانچہ حکم ربّانی ہوا۔

"لوگ تجھ سے یتیموں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں، تو کہہ کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے تم اگر ان کے مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو تمہارے بھائی ہیں بد نیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے۔"[۱۹]

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ان احکامات کے نزول کے بعد کھانا پینا ملا جلا کر رکھنے کی اجازت دی گئی، اس لئے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں البتہ نیک نیتی ضروری ہے۔ قصد اور ارادہ اگر یتیم کو نقصان پہنچانے کا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور اگر مقصود یتیم کی بھلائی اور اس کے مال کی نگہبانی ہے تو اسے بھی وہ علام الغیوب بخوبی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تمہیں تکلیف و مشقت میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا جو تنگی اور مشکل تم پر یتیم کا کھانا پینا جدا رکھنے میں تھی وہ اللہ نے دور فرما دی اور تم پر تخفیف کر دی اور ایک ہنڈیا رکھنا اور ملا جلا کر کام کرنا تمہارے لئے مباح قرار دیا، بلکہ یتیم کی سرپرستی کرنے والا اگر فقیر مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق اپنے خرچ میں لا سکتا ہے اور اگر کسی مال والے نے بوقت ضرورت اس کی کوئی چیز اپنے مصرف میں استعمال کی تو بعد میں ادا کر دے۔[۲۰]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مال کے استعمال کے حوالے سے فقہا کہتے ہیں کہ مال کے استعمال کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اس کا مال کسی مناسب کاروبار میں لگایا جا سکتا ہے۔ محنت اور سرمائے کے اصول پر کسی محنتی اور تجربہ کار آدمی کے حوالے کیا جائے۔ سرپرست کو یتیم کے مال سے تجارت کرنے یا کسی دوسرے کی تجارت میں اس کا سرمایا لگانے کی اجازت ہے۔[۲۱] یتیم کی خیر خواہی کا تقاضہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی معقول رشتہ کرا دیا جائے۔ آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ وہ تمہارے بھائی ہیں گویا ان کے ساتھ وہی معاملہ اختیار کیا جائے جو ایک بھائی کے ساتھ کیا جاتا ہے یتامیٰ کے اموال کے تحفظ کے لئے ایک دوسرے مقام پر حکم الٰہی ہوا۔

''یتیموں کو ان کے مال دے دیا کرو، پاک اور حلال چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو''

''اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر نہ کھا جاؤ۔ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے''[۲۲]

مذکورہ آیات کے ذریعہ اللہ یتیم کے والیوں کو حکم دیتا ہے کہ جب یتیم بلوغت اور سمجھداری کو پہنچ جائیں تو ان کے جو مال تمہارے پاس ہوں انہیں سونپ دو، پورے پورے بغیر کمی خیانت کے ان کے حوالے کر دو۔ اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر گڈ مڈ کر کے کھا جانے کی نیت نہ رکھو۔ مذکورہ تعلیمات کے نزول سے قبل عربوں کا طریقہ تھا کہ یتیموں کا مال و اموال اپنے مال میں ملا کر ان کے اموال کو نقصان پہنچایا کرتے تھے۔ مثلاً یتیموں کے بکریوں کے ریوڑ میں عمدہ بکری لے لی اور اپنی دبلی پتلی بکری دے کر گنتی پوری کر دی کھوٹا درہم اس کے مال میں ڈال کر کھرا نکال لیا اور پھر سمجھ لیا کہ ہم نے تو بکری کے بدلے اور درہم کے بدلے درہم لیا تھا۔ اللہ حکم دیتا ہے کہ ان کے مالوں میں اپنا مال خلط ملط کر کے پھر یہ حیلہ کر کے کہ اب امتیاز کیا ہے؟ ان کے مال تلف نہ کرو، یہ بڑا گناہ ہے ان آیات کے ذریعہ رب العزّت نے یتیموں کے مال کی حفاظت کا گویا مکمل انتظام کر دیا ہے۔ (۲۳) یتیم لڑکیوں کے نکاح وانتظام کے لئے حکم نازل ہوا۔

"اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے اور عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کر لو" (۲۴) حضرت عائشہ فرماتی ہیں ایک یتیم لڑکی تھی جس کے پاس مال بھی تھا اور باغ بھی۔ جس کی پرورش میں وہ تھی اس نے صرف اس مال کے لالچ میں مہر وغیرہ مقرر کئے بغیر اس سے نکاح کر لیا تب یہ آیت نازل فرما کر اللہ نے مسلمانوں کو متنبہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ سے جب اس بابت دریافت کیا گیا تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب یتیم لڑکی کم مال والی ہوتی ہے اس وقت اس کے والی اس سے بے رغبتی برتتے ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ مال وجمال پر مائل ہو کر اس کے پورے حقوق ادا کئے بغیر اس سے نکاح کر لیں۔ اگر عدل وانصاف کے ساتھ یہ امور انجام دیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ (۲۵)

دین اسلام نے اس کمزور طبقے کے حقوق کا خوبصورت انداز میں تحفظ کیا ہے۔ یہ خوبصورتی اگر ایک طرف یتیم بچوں کے حقوق کے تحفظ کی شکل میں ہے تو دوسری جانب ان حقوق کی ادائیگی کرنے والوں کے لئے اجر وثواب کی شکل میں ہے۔ جو شخص یتیم بچے کی پرورش وتعلیم وتربیت کا مشکل فریضہ انجام دیتا ہے اسے آخرت میں رسول اکرم ﷺ کی قربت اور معیت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

> "حضرت سہل سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح نزدیک ہوں گے۔ (یہ فرما کر) آپ ﷺ نے کلمہ اور درمیان کی انگلی سے اشارہ فرمایا (یعنی ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب ہوں گے)" (۲۶)

گویا امت کے بے والی ووارث سر پرست نے اپنی امت کے ان نیک دلوں کو جو بے والی ووارث یتیموں کے کفیل ہوں خود اپنے برابر جگہ عطا فرمائی ہے۔

کتاب وسنت کی ان تعلیمات نے عرب کی فطرت ہی گویا بدل دی۔ بے کس و ناتواں یتیموں کے لئے پتھر سے زیادہ سخت دل موم سے زیادہ نرم ہو گئے۔ ہر صحابی کا گھر ایک یتیم خانہ بن گیا۔ ایک ایک یتیم کے لطف و شفقت کے لئے کئی ہاتھ ایک ساتھ بڑھنے لگے اور ہر ایک اس کی پرورش و کفالت کے لئے اپنی آغوش محبت کو پیش کرنے لگا۔

مسکینوں کے حقوق

مَسْکَنَتْ کے لفظ میں عاجزی درماندگی بے چارگی اور ذلت کے مفہومات شامل ہیں۔ اس اعتبار سے مساکین وہ لوگ ہیں جو عام حاجتمندوں کی بہ نسبت زیادہ خستہ حال ہوں نبی ﷺ نے اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ ایسے لوگوں کو امداد کا مستحق ٹھہرایا ہے جو اپنی ضروریات کے مطابق نہ پا رہے ہوں اور سخت تنگ حال ہوں مگر نہ تو ان کی خودداری کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت دی ہو اور نہ ان کی ظاہری پوزیشن ایسی ہو کہ کوئی انہیں حاجت مند سمجھ کر ان کی مدد کے لئے ہاتھ بڑھائے۔[۲۷] گویا مسکین ایک ایسا شریف آدمی ہے جو غریب ہو، اپنی حاجت بھر مال نہ پاتا ہوا اور نہ پہچانا جائے کہ اس کی مدد کی جائے اور نہ ہی کھڑا ہو کر لوگوں سے مانگتا ہو۔[۲۸]

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ:

"رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں کے سامنے گھوشا ھرے اسے ایک یا دو لقمے اور ایک یا دو کھجوریں لوٹا دیتی ہوں، بلکہ مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت بھر حال کہیں جاتا اور پہنچانا جاتا ہے کہ اس کی مدد کی جائے اور نہ کھڑا ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے۔[۲۹]

الٰہی تعلیم ہے کہ آدمی اپنی کمائی اور اپنی دولت کو صرف اپنے لیے ہی مخصوص نہ رکھے بلکہ اپنے رشتہ داروں، ہمسایوں اور دوسرے حاجتمند لوگوں کے حقوق بھی ادا کرے چنانچہ ارشاد ہے کہ:

"رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق"[۳۰]

قرآن میں بار بار مسکینوں اور محتاجوں کی مدد پر ابھارا گیا ہے اور ان سے بے توجہی لاپرواہی اور ظلم و زیادتی کی مخالفت کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"لوگ پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں؟جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتہ داروں پر، یتیموں اور مسکینوں پر ایک اور مسافروں کو خرچ کرو اور جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اس سے باخبر ہوگا"[۳۱]

مسکینوں اور محتاجوں کی امداد اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ مالِ وراثت تک میں ان کو حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"اور جب تقسیم کے موقع پر کنبہ کے لوگ اور یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دو اور ان کے ساتھ بھلے مانسوں کی سی بات کرو"[۳۲]

اس حکم کے ذریعہ میّت کے ورثا کو ہدایت کی جارہی ہے کہ میراث کی تقسیم کے موقع پر دور و نزدیک کے رشتہ داروں کنبہ کے غریب و مسکین لوگوں اور یتیم بچوں کے ساتھ تنگ دلی اختیار نہ کی جائے۔ اگرچہ میراث میں ازروئے شرع ان کا حصّہ نہیں ہے تاہم وسعت قلب سے کام کے کر ترکہ میں سے ان کو بھی کچھ نہ کچھ دینا چاہئے۔ تنگ دل، کم ظرف لوگوں کی مانند ان لوگوں کی دل شکنی نہ کی جائے۔

آخرت کا انکار کرنے والے لوگوں میں جو اخلاقی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یتامیٰ و مساکین کے ساتھ اختیار کیا جانے والا برا سلوک بھی ہے۔ قرآن میں ہے۔

"تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزاو سزا کو جھٹلاتا ہے وہی تو ہے جو یتیم کو دھکّے دیتا ہے اور مسکین کا کھانا دینے پر نہیں اکساتا"[۳۳]

آیت میں مذکور الفاظ سے صریحاً ظاہر ہے کہ جو کھانا مسکین کو دیا جاتا ہے وہ دینے والے کا کھانا نہیں بلکہ اس مسکین کا کھانا ہے۔ وہ اس کا حق ہے جو دینے والے پر عائد ہوتا ہے اور دینے والا کوئی بخشش نہیں دے رہا ہے بلکہ اس کا حق ادا کر رہا ہے۔ مذکورہ آیت کے الفاظ انتہائی طور پر ہر انسان پر لازم قرار دیتے ہیں کہ نہ صرف انسان خود مسکین کو کھانا کھلائے بلکہ اپنے گھر والوں اور معاشرے کے دیگر افراد کو بھی اس امر پر آمادہ کریں کہ معاشرے میں جو غریب و محتاج لوگ بھوک سے مر رہے ہیں ان کے حقوق پہچانیں احادیث نبوی میں مختلف پہلوؤں سے محتاجوں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ترغیب دی گئی ہے حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے اپنی سنگ دلی کی شکایت کی اور علاج پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

"مسکین کو کھانا کھلاؤ اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو"[۳۴]

احادیث رسول میں غربأ و مساکین سے محبت کا بھی حکم دیا گیا ہے کیونکہ حسن سلوک محبت کے بغیر ممکن نہیں حضرت ابوذر فرماتے ہیں۔

"میرے محبوب ﷺ نے مجھے سات باتوں کی ہدایت فرمائی ان میں سے ایک یہ تھی کہ میں مسکینوں سے محبت کروں اور ان کی قربت اختیار کروں"[۳۵]

رسول اللہ بذات خود مسکینوں سے محبت ہمدردی اور تعلق خاطر رکھتے تھے۔ اس امر کا اظہار آپ کی ایک دعا سے ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"اے اللہ مجھے مسکین رکھ مسکینی کی حالت میں موت دے اور مسکینوں کے زمرے میں اٹھا"

حضرت عائشہ نے اس دعا کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

"مساکین، دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں پہنچیں گے"

آپ نے حضرت عائشہ کو نصیحت فرمائی

"اے عائشہ، مسکینوں سے محبت کرو اور ان کو اپنے سے قریب کرو اللہ تمھیں قیامت کے روز اپنے سے قریب کرے گا۔"[۳۶]

کتاب وسنت کی ان اخلاقی تعلیمات کے ساتھ ساتھ اسلام نے مسکینوں اور محتاجوں کی فلاح و بہبود کے مختلف طریقے بھی بتائے گئے ہیں، مثلاً مال غنیمت میں مسکینوں اور محتاجوں کا حصّہ مخصوص ہے ارشاد ہوتا ہے:

"جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصّہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے"[۳۷]

مصارف زکوٰۃ کی مدات میں سب سے پہلی مد فقیر اور مساکین کی ہے۔

"یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں"[۳۸]

بعض عبادات میں نقص یا کمی کی تلافی کے لئے جو کفارہ مقرر کیا گیا ہے اس میں بھی مسکینوں کا حصہ ہے۔ مثلاً حالت صوم میں قصداً کھا پی لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے عمداً سرزد ہونے والے اِس گناہ کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے۔

اسلام نے معاشرہ میں باہم مربوط افراد کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا خوبصورت اور تنبیہی انداز اختیار کر کے ہر حق کو بنیادی حق قرار دیا ہے۔ دورِ حاضر میں انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں ان بنیادی حقوق کو اخلاقی اور

بنیادی حقوق میں تقسیم کر کے گویا انسان کے معاشرتی نظام پر ضرب کاری لگاتی نظر آتی ہیں اس تقسیم سے وہ فرد واحد کو صرف اپنے دائرے میں محدود کر دیتی ہیں اور وہ معاشرہ میں رہتے ہوئے بھی تنہا ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔القرآن،۲: ۳۱

۲۔القرآن،۴: ۱۳۔۱۴

۳۔صلاح الدین، محمد،(۱۹۷۸)،"بنیادی حقوق"،لاہور،ادارۂ ترجمان القرآن،،ص ۱۳۷

۴۔القرآن،۴: ۳۶

۵۔القرآن،۱۷: ۲۳۔۲۴

۶۔مودودی،ابوالاعلیٰ،(۱۹۹۱)،"تفہیم القرآن"،لاہور، ترجمان القرآن، جلدوم، ص ۶۱

۷۔القرآن،۶: ۱۵۱

۸۔بخاری،ابوعبداللہ محمد اسمٰعیل،(س ن)،" صحیح بخاری"،(مترجم وحید الزمان)،لاہور، جہانگیر بک ڈپو، جلد سوم، کتاب الادب، حدیث ۹۱۱۱، ص ۳۹۷

۹۔ صحیح بخاری، محولہ: بالا، ص ۳۹۷

۱۰۔ندوی،عبدالقیوم،(س ن)،"ہمارااخلاق"،اعظم گڑھ،دار المصنفین، ص ۳۷

۱۱۔ صحیح بخاری، محولہ بالا، ص ۴۰۰

۱۲۔ایضاً

۱۳۔ایضاً، ص ۳۹۹

۱۴۔القرآن، ۹۳: ۴

۱۵۔القرآن،۴: ۱۲۷

۱۶۔القرآن،۱۷: ۳۴

۱۷۔القرآن،۴: ۱۰

۱۸۔ابن کثیر،عمادالدین،(۲۰۰۰)،"تفسیر ابن کثیر"،(مترجم محمد صاحب جوناگڑھی)،لاہور، حذیفہ اکیڈمی، جلداوّل، ص ۲۸۱

۱۹۔القرآن،۲: ۲۲

۲۰۔تفسیر ابن کثیر، محولہ بالا، ص ۲۸۱

۲۱۔عمری، جلال الدین،(۲۰۰۵)،"اسلام انسانی حقوق کا پاسبان"، کراچی،اسلامک ریسرچ اکیڈمی، ص ۱۰۱

۲۲۔القرآن،۴: ۲

۲۳۔تفسیر ابن کثیر، محولہ بالا، ص ۴۹۱

۲۴۔القرآن،۴: ۳

۲۵۔ تفسیر ابن کثیر، (محولہ) ص ۲۸۱

۲۶۔ابوداؤد، سلیمان، (س ن)، "سنن ابی داؤد "(مترجم خورشید حسن قاسمی)، لاہور، مکتبہ العلم، جلد سوم، ص ۲۷۹

۲۷۔ابن ماجہ، محمد بن یزید، (س ن)، "سنن ابن ماجہ "(مترجم وحید الزماں)، لاہور، اسلامی کتب خانہ، جلد سوم، ص ۲۰۷

۲۸۔ تفہیم القرآن، جلد دوم، ص ۲۰۵

۲۹۔ صحیح بخاری، محولہ بالا، حدیث نمبر ۱۳۹۳، ص ۶۴۹

۳۰۔القرآن، ۱۷: ۲۴

۳۱۔القرآن، ۲: ۲۱۵

۳۲۔القرآن، ۴: ۸

۳۳۔القرآن، ۱۰۷: ۱۔۳

۳۴۔ابن حمبل، احمد، (۱۹۹۷)، "مسند امام احمد بن حنبل "، بیروت، موسستہ الرسالتہ، جلد ۱۳، حدیث ۷۵۶۷، ص ۲۱، ۲۲

۳۵۔ایضاً، جلد ۳۵، ص ۳۲۷، حدیث ۲۱۴۱۵

۳۶۔الخطیب، ولی الدین، ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، (۱۳۲۸ھ)، "مشکوۃ المصابیح "، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ص ۴۴۷

۳۷۔القرآن، ۸: ۴۱

۳۸۔القرآن، ۹:۶۰